اہلِ سنت وجماعت

شیخ الحدیث
پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی مدظلہ العالی

اویسی بک سٹال

امتِ مسلمہ کے لیے عنوانِ نجات

اہلِ سنت و جماعت

شیخ الحدیث والتفسیر، پیر طریقت، رہبر شریعت
ترجمان مسلک اہلسنت

شیخ الحدیث پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان

اویسی بک سٹال

پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

نام کتاب	اھلسنت و جماعت
افادات	پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی
پروف ریڈنگ	حافظ محمد رمضان اویسی
باہتمام	شیخ محمد سرور اویسی
تعداد	1100
صفحات	32
ہدیہ	

ملنے کے پتے

حلالیہ و صراط مستقیم پبلی کیشنز گجرات

کرمانوالہ بک شاپ لاھور / فیضان مدینہ سرائے عالمگیر

مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات

مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ / دارالقلم سرائے عالگیر

جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بہاوالدین

مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ / مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر

جامع مسجد خوشبوئے مصطفیٰ ﷺ کوٹ قاضی حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ

اویسی بُک سٹال گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور

فہرست

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب معروف معنیٰ میں تصنیف نہیں بلکہ شیخ الحدیث پیر سید محمد عرفان مشہدی مدظلہ العالی کی تقریر ہے، جو آپ نے ربیع الاول شریف ۱۴۱۲ھ میں سیالکوٹ میں فرمائی۔ یہی سبب ہے کہ اس میں سلاست ادب سے زیادہ آہنگ خطابت پایا جاتا ہے۔ مدت سے خواہش تھی کہ حضرت استاذ اپنی تحقیقات کو کتابی صورت میں لاتے، اکثر نشستوں میں اس پر اصرار بھی کیا مگر استاذ محترم کی تبلیغ دین و اقامت دین کے سلسلہ میں جانکاری و جگر سوزی، ہمہ نوع تدریسی و انتظامی مصروفیات، تصنیف و تخلیق کے لیے مطلوبہ فراغت کے لئے مانع رہیں بالاخر احباب کے مشورہ سے حضرت کے خطبات کی اشاعت کا پروگرام بنایا گیا مگر آپ کی اخفاء پسند طبیعت نے اس کی اجازت نہ دی عرصہ کے اصرار کے بعد تبلیغ دین اور تلامذہ کی دل شکنی کا خیال کرتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔ اجازت ملتے ہی آپ کی ایک تقریر شائع کی جارہی ہے۔ کیسٹ سے طباعت تک کا مرحلہ طے کرنے میں محترم مولانا محمد جمیل احمد صدیقی اور مولانا حافظ محمد اشرف آصف کا تعاون بھی شامل ہے۔

حافظ محمد اسلم قادری

۱۰-۱۱-۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

قرآنِ پاک کے تمام مطالب و مفاہیم کو سمجھنا صرف اُسی ہستی کا خاصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی معرفت عطا فرمائی ہو

قرآن و سنت کے احکام کئی اقسام پر مشتمل ہیں ان سے مسائل اخذ کرنے کے کے لئے نصوص قرآنیہ اور نصوص احادیث کے کئی درجات ہیں۔ چونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس اعتبار سے قرآن پاک کے تمام مطالب و مفاہیم کو کماحقہ، سمجھ لینا کسی عام انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف اُسی ہستی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اَپنے کلام کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ عام اِنسان کے لئے کلامُ اللہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالب و مفاہیم میں سے کچھ سمجھ لینا ظاہری علوم پر موقوف ہے۔ کلام اللہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ چونکہ عربی زبان میں ہے، اور وہ ہمارے لیے اجنبی ہے، اسے سمجھنے کے لئے صرف... نحو... معانی...

بیان اور بدیع جیسے علوم پڑھے جاتے ہیں اور پھر اس کی خاص اصطلاحوں کو سمجھنے کے لیے منطق وفلسفہ اور دیگر علوم حاصل کیے جاتے ہیں۔ فہم قرآن وحدیث کی اِس جدوجہد کی تاریخی حیثیت دیکھی جائے تو اِس میں کئی زندگیاں وقف نظر آتی ہیں تب کہیں جا کر قرآن واحایث کے مطالب ومفاہیم سمجھنے کی کچھ صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن واحادیث کے مطالب کو کماحقہٗ سمجھنا اور کسی ایک مطلب پر ملت اِسلامیہ کے مجتہدین کا جمع ہو جانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے۔

اگر ہر عقل مند اپنی عقل اور اسباب علم سے (جو کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں) ایک ہی درجہ پر قرآن پاک جمع کرلے تو یہ بھی قرآن پاک کی توہین ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک کے مطالب بڑے دقیق ووقیع ہیں۔ اس طرز پر ہر انسان کی عقل اور علم برابر نہیں ہے۔ لہٰذا ہر صاحب عقل وعلم اپنی ہمت کے مطابق قرآن پاک کے مطالب کو سمجھتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے سمندر میں جو لوگ غوطہ لگاتے ہیں وہ اپنی ہمت کے مطابق اس سے موتی نکالتے ہیں ایسے ہی اصحابِ علم قرآنی علوم کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مطالب ومفاہیم کے موتی باہر لاتے ہیں لیکن تہہ تک پہنچنے کا کمال کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر یہ کمال کسی کو حاصل ہے تو وہ ہمارے آقا اور خدا کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک ہے۔

مجتہدین کا فکری اختلاف عیب نہیں حق ہے

جب علم، عقل اور مرتبے کا اختلاف وفرق ہر انسان میں موجود ہے تو پھر قرآن پاک کے مستنبط و مستخرج مسائل میں اور نصوص قرآنیہ کی تفہیم وتعبیر میں بھی یقیناً فرق ہوگا۔ لہٰذا اگر خلوصِ نیت کے ساتھ قرآنِ مجید میں مجتہدین غور کرتے ہیں اور تعبیر میں ان کے درمیان کچھ فرق پیدا ہو تو اسے اختلافِ مسلک کہتے ہیں اور یہ عیب نہیں بلکہ حق ہے، اس لئے کہ اگر دُنیا میں ایک ہی مسلک ہوتا۔ مجتہدین کی ایک ہی تفہیم وتعبیر ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہر شخص کے لیے قرآن پاک کے کماحقہٗ مطالب پالینا اس کے بس کی بات ہے۔ اس صورت میں کلام اللہ معجزہ نہ رہتا اور اِس کی وہ بلاغت اور مؤثریت نہ رہتی جو اسے کلام اللہ ثابت کرتی ہے۔

اس اختلاف کے ساتھ (جوکہ انسانوں کے درمیان ہے) مجتہدین نے قرآن پاک سے مسائل کو اخذ کیا اور ایک جگہ انہیں جمع کیا وہ مسلک بن گئے۔ واضح رہے اِن مسالک کا تعلق اَعمال سے ہے۔ ان فقہی طریقوں کو ماننے اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں میں سے کچھ شافعی کہلاتے ہیں، کچھ حنبلی کہلاتے ہیں، کچھ مالکی کہلاتے ہیں، اور کچھ حنفی کہلاتے ہیں۔

اعتقادی مجتہد

اِسی طرح کچھ لوگ مجتہد فی المعتقدات ہوتے ہیں، جو اعتقادیات میں

اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل کو مستنبط کر کے ایک جگہ جمع کرتے ہیں ان میں اعتقادی طور پر اہلسنت میں سے کچھ اشاعرہ اور کچھ ماتریدیہ ہیں۔

آئمہ اربعہ کا اختلاف قرآن پاک کا اعجاز ہے

فقہ میں عبادات و معاملات کے مسائل کو قرآن و حدیث سے مستنبط کرنے والے آئمہ اربعہ، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❖ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ❖ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ❖ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا مسائل کے اخذ اور مستنبط کرنے میں اختلاف کوئی بری بات نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ ہر ایک مجتہد نے اپنی فہم و فراست اور عقل کے مطابق قرآن و حدیث سے مسائل کو اخذ کیا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصویب

واضح رہے کہ یہ صرف علم و عقل کی رسائی اور پرواز نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ تائید ایزدی، تائیدِ محمدی اور نورِ بصیرت بھی ہے جو مجتہدین کرام کو خلوصِ نیت کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص امام الآئمہ... سراج الامہ... امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِس اِنعام و اکرام کے ساتھ سب سے زیادہ نوازے گئے۔ اِس کا ذکر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کشف المحجوب شریف" میں یوں فرماتے ہیں۔

چنانکہ بر ندئہ وی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بود

فانی الصفت باشد ببقاء صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
وچوں بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نہ
گردد بر آنکہ بدو قائم بود نیز صورت
نگیرد وایں رمز لطیف است
(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۸۷)

آپکے استنباط واستخراج میں اور آپکی قوتِ استدلال میں جہاں آپ کے علم وعقل کا کمال ہے وہاں یہ بات بھی ہے کہ جب آپ کسی مسئلے کا استنباط فرماتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتصویب امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوتی۔

پہچان اہل سنت وجماعت

اس انداز سے جو جماعت اخلاصِ نیت کے ساتھ نصوصِ قرآنیہ اور حدیث شریف سے اجتہاد کرتی رہی اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں اہلسنت وجماعت کہا جاتا رہا۔ صحاح ستہ میں حدیث شریف موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الاملۃ واحدۃ قالو امن ھی یا رسول اللہ قال ماانا علیہ واصحابی

(مشکوٰۃ شریف ☆ ترمذی شریف ☆ ابوداؤد شریف)

میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔

سب جہنمی ہوں گے۔

مگر ایک جماعت نجات پائے گی۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

وہ کونسی جماعت ہے جو نجات پائے گی؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ جماعت میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگی۔

بعض روایات میں یوں ہے

قالو ایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ھم قال اھل السنۃ والجماعۃ

فقیل ما اھل السنۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ واصحابی

(احیاء العلوم جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۶۱ ☆ اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۴۰)

(غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۹۲ احتجاج طبرسی صفحہ نمبر ۹۰)

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: نجات پانے والے لوگ کون ہیں؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہلسنت و جماعت ہیں۔

پھر عرض کیا گیا: اہلسنت و جماعت کون ہیں؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو میرے صحابہ کے طریقے پر ہونگے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کی فوز و فلاح پانے والے اہلسنّت و جماعت ہی ہیں۔

نام اہل سنت و جماعت کی اہمیت

بعض لوگ یہ کہتے ہیں "کیا اپنے آپ کو صرف مسلمان کہلوانے سے کام نہیں چلتا، اہلسنّت و جماعت کہلوانے کی کیا ضرورت ہے؟" اصل بات یہ ہے کہ بعض کم فہم لوگوں کو بڑی غلطی لگ گئی ہے کہ اہل سنّت و جماعت اور اہل اسلام میں کوئی تباعد اور تفاوت ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اہلسنت و جماعت ہی حقیقتاً اہل اسلام ہیں اور نجات والی جماعت ہیں۔

آج کل کچھ لوگ یہ عنوانات پیش کر رہے ہیں کہ ہم "جنرل مسلم" ہیں۔ ہمارا فرقہ بندی سے کوئی تعلق نہیں۔ انکی یہ فکر کھلی گمراہی پر مبنی ہے۔ اس فتنے کی ابتدء اہل قرآن یعنی منکرانِ حدیث نے کی تھی کہ ہم سادہ مسلم ہیں، اہلسنت نہیں ہیں۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ فکری اختلاف کوئی عیب نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ قرآنِ پاک کے بارے میں سب لوگوں کی فہم و فراست ایک نہیں ہوسکتی لیکن معتقدات میں اختلاف ایک کے سوا سب کو گمراہی بلکہ کفر تک لے جاتا ہے۔

تابعین کرام کے دور میں اعتقادی فتنے پیدا ہوئے جن میں بڑا فتنہ جبریہ اور قدریہ کا ہے۔

فرقہ جبریہ

کلمہ گو لوگوں میں ایک فرقہ جبریہ بنا، ان کا عقیدہ یہ تھا:

ان الفعل بقدرۃ اللہ وحدھا ولیس للعبد قدرۃ واختیار بل ھو کالجماد (نبراس صفحہ ۱۷۲)

بیشک اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی تمام انسانی افعال ہیں اور وہ خالق ہے بندے کے لئے کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے بلکہ بندہ جماد کی طرح ہے لہٰذا انسان کے ارادے اور عزم کو فعل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان مجبور محض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندے سے سب کچھ کرواتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ کرواتا ہے تو پھر ثواب وعذاب کا کیا مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ پہلے بندے سے برائی کرائے اور پھر گناہ بھی اسی کے حساب میں لکھ دے۔

فرقہ قدریہ

پھر اُن کے مقابلے میں ایک فرقہ قدریہ پیدا ہوا، ان کا عقیدہ یہ تھا

ان الفعل بقدرۃ العبد وحدھا بلا ایجاب واضطرر

(نبراس صفحہ ۲۷۲)

بیشک انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے کسی طرف سے ایجاب واضطرار کے بغیر صرف اپنی قدرت سے فعل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمیں کوئی قدرت نہیں ہے۔

لہٰذا جب بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو جو شخص صغیرہ گناہ کا بھی مرتکب ہو وہ خدا کے ابدی عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل طور پر اختیار دیا تو اس نے اپنا اختیار برائی میں استعمال کیا۔ اب اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائے گا بلکہ وہ دائما جہنم میں رہیگا۔

حاصل کلام:- اب دیکھئے جبریہ کو جبریہ کہنا پڑا۔ کیونکہ یہ فرقہ انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے اور قدریہ کو قدریہ کہنا پڑا، یہ فرقہ انسان کو اپنے افعال کے لئے قادرِ مطلق تصور کرتا ہے۔ جب یہ دونوں کیفیتیں سامنے آئیں تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود بھٹک گئے۔ اس دور کے مسلمان جو صحیح راستے پر تھے اگر اپنا تشخص صرف مسلمان رکھتے تو ان گمراہ فرقوں سے ان کا کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اسلام کے دعویدار تو جبریہ اور قدریہ بھی تھے تو پھر صحیح لوگوں کی پہچان کیا ہوئی؟ عہدِ تابعین میں معتقدات میں جن لوگوں کی فکر صحیح رہی، انہیں اہلسنت وجماعت کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔

مذہب اہل سنّت وجماعت

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انکی اعتقادی راہنمائی ہوتی رہی۔ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت وجماعت کے امام ہوئے ہیں، انہوں نے صحیح فکر پیش کی اور کہا:

والله تعالیٰ خالق لافعال العباد وللعباد افعال اختیاریۃ

(شرح عقائد صفحہ نمبر ۶۰ تا ۶۴)

افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے حسن و قبح اور ہر اچھائی و برائی کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ ان افعال کا کاسب ہے اور بندے کو اختیار دیا گیا ہے۔ اچھائی اور برائی سامنے رکھ دی گئی ہے اور اسے وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان بھی کر دیا گیا ہے اب بندہ اپنے ارادے سے ان افعال کا کاسب ہے، خالق نہیں ہے۔

جب بندہ اپنے اختیار سے برا فعل کریگا عذاب پائے گا اور اگر اچھا فعل کرے گا تو ثواب پائے گا۔ یہ اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔

فرقہ تشبیہیہ

اب ذرا دوسرے درجے کی طرف آیئے! ایک جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور بندے کے جسم کے مشابہ ہے اس فرقہ کا نام "تشبیہیہ" تھا۔ جن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے طرح جسم رکھتا ہے۔ یہ فرقہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ آج تک اس کے اثرات موجود ہیں متصوفہ میں آج بھی فرقہ حلولیہ موجود ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جہلاء مختلف چیزوں کو سجدے کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں خدا ہے یہ فرقہ "تشبیہیہ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو آج بھی جہلاء میں موجود ہے۔

"تشبیہیہ" کے مقابلے میں "تعطیلیہ" فرقہ پیدا ہوا، وہ فلاسفہ تھے۔ انہوں

نے کہا کہ اللہ تعالیٰ معطل ہوگیا ہے۔ معاذ اللہ وہ قادر و مالک تھا لیکن اس نے دس عقل پیدا کئے ان کی اصطلاح میں انہیں عقول عشرہ کہتے ہیں ان کے خیال میں عقل اول جبرائیل امین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جبرائیل کو پیدا کیا اور معطل ہوگیا۔

''تشبیہ'' کا عقیدہ یہ تھا

''ھو جسم کسائر الاجسام جالس علی العرش

(نبراس صفحہ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ اجسام کی طرح ایک جسم ہے، جو کہ عرش پر بیٹھا ہے

ان میں ابنِ تیمیہ بھی تھا۔ اس نے اپنے فتاویٰ میں یہ بات واضح طور پر لکھ دی ہے کہ " اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی "(طٰہٰ رکوع نمبر۱۰) آیت مذکورہ متشابہات سے نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح عرش پر بیٹھا ہے جیسے بندہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔ ابنِ تیمیہ کی اسی فکر کی روشنی میں بعض علماء دیوبند نے بھی یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ جب کرسی کی طرح عرش پر بیٹھتا ہے تو وہ اُسکے وزن سے چر چرانے لگتا ہے۔

عقیدہ اہل سنت و جماعت

اہلسنّت وجماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور تشبیہ سے منزہ ہے اور کہا کہ فعال لما یرید (پارہ نمبر۳۰ سورۃ بروج) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے یحکم مایشاء جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، وہ معطل نہیں ہے۔ کائنات کے ذرے

ذرے کا مالک ہے۔اس کی مرضی کے بغیر کوئی شئے حرکت نہیں کر سکتی۔ تعطیلیہ کی فکر کے ساتھ ساتھ اہلسنّت نے "تشبیہیہ" کا رد بھی کیا کہ جو جسم ہوگا وہ محدود ہوگا اور اسکی قیود بھی ہوں گی اور اس کے لیے جہت، مکان اور زمان کا تحقق بھی ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ تصورات محض باطل ہیں بلکہ اس کی شان یہ ہے "لا یحدو لا یتصور ولا ینتج ولا یتغیر تعالٰی عن الجنس والجہات" (سلم العلوم) وہ جہت وسمت اور قیود وترکیب سے پاک ہے۔اس کی ذات نہ تصور میں آسکتی ہے نہ متغیر ہو سکتی ہے۔وہ حد سے پاک ہے، بلکہ حی وقیوم ہے۔ازلی...ابدی...سرمدی ہے۔وہ قائم ہے۔اس کے لئے کوئی زوال نہیں ہے اور اس کا مشابہ بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔یہ اہل سنت و جماعت کی فکر ہے۔

حاصل کلام: — اب غور فرمایئے ایک طرف فرقہ "تشبیہیہ" ہوں دوسری طرف فرقہ "تعطیلیہ" ہوں اور ہم کہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں تو یہ گمراہ فرقے کہیں گے ہم بھی مسلمان ہیں کیونکہ کلمہ تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔حالانکہ "تشبیہیہ" خدا کو جسم مانتے ہیں اور "تعطیلیہ" خدا کو معطل مانتے ہیں۔اب اہل حق اور ان باطل مذاہب میں امتیاز کیا ہے؟ کہ جس سے اہل حق کا تشخص قائم ہو سکے، جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ معطل ہے بلکہ واجب الوجود اور "فعال لما یرید" ہے۔پہچان اور امتیاز کے لئے ایک بات سامنے آگئی جو آج بھی اتباع محمدی اور اتباع صحابہ اور جماعت پر قائم ہیں وہ اہلسنت وجماعت ہیں۔

فرقہ رفض

اب ذرا آگے چلیئے جب رفض وخروج کا فتنہ پیدا ہوا، رافضی حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے لگے، ایسا فرقہ ہمارے ملک اور دیگر کئی ممالک میں آج بھی موجود ہے۔ اہل تشیع میں اس کو نوصیری فرقہ کہا جاتا ہے یہ لوگ اب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ انہیں سجدہ کرتے ہیں ان لوگوں نے شیر خدا کی تشبیہ بنائی ہوئی ہے اور اسے سجدہ کرتے ہیں۔

اثنا عشریہ رافضی تو یہاں تک چلے گئے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اس لئے نکالا گیا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبے کو نہ پہچانا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں اس لئے ڈالا گیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبے کو نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری کا ورود اور حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا بھی مرتبہ علی کو نہ پہچاننے کے سبب سے ہے (اصول کافی)

اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اصل میں حامل وحی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے آئے۔ اس رافضی فرقہ کے مقابلے میں خارجی فتنہ پیدا ہوا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ (فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ مطبوعہ تہران)

فرقہ خوارج

خوارج کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ اس لئے مسلمان نہیں ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے فیصلے پر بندوں کو فیصل بنایا اور خدائی فیصلے کو رد کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں خلافت کا فیصلہ فرمادیا تھا لیکن انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنازع میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا۔ یہ خدا کے کئے ہوئے فیصلے سے انحراف ہے۔ لہٰذا معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ جب کہ اہلسنت و جماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے بندے ہیں اور اولیاء اللہ کے پیشوا ہیں۔

حاصل کلام: — آپ خود فیصلہ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جو عنوان (اہلسنت و جماعت) ہمیں دیا وہ صرف ہماری ایک عام ضرورت ہی نہیں بلکہ ہم اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتے، ورنہ ہماری کوئی پہچان ہی نہ ہوگی۔

ذرا سوچ کے بتائیں؟ جبریہ اور قدریہ میں سے آپ کون ہیں؟ "تشبیہ" اور "تعطیلیہ" میں سے آپ کون ہیں؟

روافض اور خوارج میں سے آپ کون ہیں؟ اگر کہیں گے ہم "جنرل مسلم" ہیں تو وہ بھی کہیں گے ہم بھی "مسلم" ہیں۔ ان کے اور آپ کے درمیان "مسلم" کہلانا "مابہ الاشتراک" ہے، اگر "مابہ الامتیاز" ہے تو وہ اہلسنت و جماعت ہے۔

اس سے تمیز ہو جائے گی کہ کون لوگ ہیں جن کے نزدیک کلام اللہ کے قطعی اور یقینی احکام پر اور احادیث طیبہ جو کہ قطعی یقینی اور متواترہ ہیں پر عمل یقینی اور لازمی ہے۔

فکرِ اہل سنّت و جماعت

لیکن قرآن و حدیث کے صحیح مطالب سمجھنے کے لیے اجماع صحابہ و مجتہدین رضی اللہ عنہم کو ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر فہم قرآن و حدیث عام لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے "ہمارا یہ عنوان اصحاب ظواہر کے مقابلے میں جامع ہے۔ ہم امت کے اجماع و قیاس کو مانتے ہیں لیکن ظواہر نہیں مانتے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں امت پر اعتماد نہیں ہے اور یہ سراسر ناانصافی ہے۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ عدالتوں میں فیصلے ہو رہے ہیں جج فیصلہ سناتے ہوئے از یں قسم دوسرے جج کے فیصلے کو استشہاد بناتا ہے عربی میں اسے "تناظیر" کہتے ہیں۔ اس استشہاد میں جسٹس درگا پرشاد تنک کا فیصلہ معتبر مانا جاتا ہے۔ اصحاب ظواہر کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج بھی ہے کہ قانون دان طبقے کے لیے سابق جسٹس اور قانون دان کا فیصلہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ جج اسے بڑے رعب و وقار کے ساتھ عدالت میں بیٹھ کر بطور استشہاد پیش کرتا ہے۔ اب یہاں کتنے ظلم کی بات ہے کہ ہم حدیث کی عبارت پڑھیں گے لیکن اس کی تشریح کسی مجتہد کی

زبان سے نہیں سنیں گے۔ کیا ساری امت غیر معتبر ہو گئی ہے؟ کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ جسٹس کے فیصلے کے برابر بھی نہیں ہے؟ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جسٹس درگا پرشاد کے فیصلے کے برابر بھی نہیں ہے؟

جب قانون کی کتابوں میں جج حضرات کے فیصلے سند کی حیثیت رکھتے ہیں تو اہلسنت و جماعت بجا طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ امت مسلمہ غیر معتبر نہیں ہے بلکہ اس کا اجتہاد اجماع اور قیاس معتبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ"

(سورہ نساء رکوع نمبر ۱۴)

یعنی جو مومنین کے خلاف رستہ اپنائے گا تو ہم اُسے اسی پر پھیر دیں گے اور جہنم میں اسے پھینک دیں گے۔

قرآن پاک کے اس واضح ارشاد کے بعد ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احادیث نبویہ کے بعد اجماع امت اور قیاس مجتہدین بھی معتبر ہے اور امت کے لیے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ اہلسنت و جماعت کی فکر ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ کچھ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم پڑھے ہوئے ہیں ان کی خدمت میں یہ مشورہ ہے کہ وہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر پیر فضل گجراتی کا لکھا ہوا یہ شعر پڑھیں۔

سو کتاباں صاحب نظراں کولوں پڑھیں بھانویں
اکھ دے اک سبق دے اوہ نال نہ ہوون سانویں

اگر دعویٰ علم ہے تو بتانا پڑے گا تمہیں صرف... نحو... لغت... ادب... بدیع... معانی... اور بیان و تفسیر میں مہارت ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اگر اثبات میں ہو تو پھر بھی بھلائی اسی صورت میں ہے کہ کسی صاحب نظر کی نگاہ کا شکار ہو جاؤ، اس سے بصیرت پیدا ہو گی روایتی علوم پڑھ لینے سے قلبی آنکھ میں بینائی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے کسی اللہ والے سے نسبت جوڑ کر فیضان لینا ضروری ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت کچھ پڑھا لیکن بصیرت کی آنکھ تب کھلی جب شیخ کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا۔ یہ فکر اہلسنت و جماعت کی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن ہمارا استاذ ہے اور حدیث ہماری پیر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اپنی جگہ پر دُرست ہے۔ مگر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک نصیحت آموز حکایت بیان فرماتے ہیں جو خصوصاً اصحابِ ظواہر کے لیے درس نافع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے تیراکی کا قانون پڑھا اور وہ تیراکی کے فلسفے کو سمجھ گیا کہ وزنی ہونے کے باوجود انسان پانی پر کیسے تیرتا ہے۔ ایک دن وہ دریا پر گیا اور پانی میں چھلانگ لگا دی جب وہ پانی میں پہنچا تو ڈوبنے لگا، قریب ہی ایک ملاح تھا۔ اس نے ہمت کے ساتھ اسے پانی سے باہر نکالا۔ اب اُس کا پیٹ پانی سے پھول چکا تھا۔ دبانے سے اس مصیبت سے نجات ملی۔ پھر ملاح نے کہا: ارے پاگل جب

تجھے تیرنا نہیں آتا تھا تو تو نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی؟ اس نے کہا میں نے پہلے تیراکی کا فلسفہ سمجھ لیا تھا اور اس بارے میں ڈاکٹر فورڈ کی وضاحتیں خوب سمجھ لی تھیں۔ تو ملاح نے کہا یہاں ڈاکٹر فورڈ کی کتابیں کام نہیں دیتیں۔ پہلے ملاح کے تھپڑ کھاؤ پھر تمہیں تیراکی کا پتہ چلے گا۔ میں نے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی لیکن اب میرا نظارہ دیکھو ملاح نے ایک طرف سے دریا میں چھلانگ لگائی دوسری طرف نکل گیا۔ اس نے کہا تجھے یہ مہارت کہاں سے حاصل ہوئی ہے؟ ملاح نے کہا میں نے اس میں اپنے باپ سے جو تیراکی میں ماہر تھا مار کھائی ہے۔ اگر تم بھی کسی اُستاذ اور پیر سے مار کھالو تو تیراکی میں مہارت حاصل ہو جائے گی، صرف فلسفہ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اصحاب ظواہر یہ یاد کرتے ہیں کہ مرفوع کیا ہے، مقطوع کیا ہے، حسن لغیرہ کیا ہے، اور حسن لذاتہ کیا ہے۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلے گا جب تک کسی کامل معلم سے درس نہ حاصل کر لیں۔ "ذکر خیر" کے مصنف حضرت محبوبؒ عالم فرماتے ہیں کہ میں انبالہ شہر میں حدیث پڑھا رہا تھا۔ ایک حدیث پڑی تو میرے مرشد سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ جو کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے حاشیہ وغیرہ دیکھا، اور عرض کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حضرت محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے "میزان الاعتدال"...... "تہذیب"...... اور "اسماء الرجال" کی دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا، پھر مجھے پتہ چلا کہ یہ خبر درجہ کے اعتبار

سے صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ دقیق مطالعہ کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں رو پڑا، اور اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا: آپ تو عربی پڑھے ہوئے نہیں ہیں، آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم نے اس سے پہلے بھی حدیث پڑھی ہے، میں نے جب تمہارے منہ سے اُسے سنا تو تمہارے منہ سے ایک نور نکلا۔ لیکن تم نے جب یہ حدیث پڑھی تو وہ نور ظاہر نہیں ہوا۔ تم نے کتابیں دیکھیں، ہم نے کوئی کتاب نہیں دیکھی، ہمارا سیدھا سادا تجربہ اور مشاہدہ ہے کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کسی کے منہ سے نکلتے ہیں تو ساتھ ہی نور کی شعاعیں بھی نکلتی ہیں۔ جب تم نے یہ حدیث پڑھی تو نور نہ نکلا اور میں سمجھ گیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اہلسنت وجماعت کی دعوت

اصحاب ظواہر کے لیے خصوصاً قابل غور بات ہے کہ علم صرف کتابوں سے نہیں آتا بلکہ اہل اللہ کی نظر سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم عشق محض کی دعوت نہیں دیتے کے مجذوب ہو جایئے، شریعت کا جامہ اتار پھینکئے اور ہوش وحواس کھو بیٹھے، اسی طرح ہم عقل محض کی دعوت بھی نہیں دیتے کہ ملحد وزندیق ہو جایئے کہ روحانیت، عشق اور محبت سے خالی ہو جایئے بقول علامہ اقبال ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یعنی ملحد و زندیق بن کر فلسفی بن جایئے اور عقل محض کو پیشوا بنا لیجیے بلکہ اہلسنت و جماعت کی دعوت یہ ہے کہ عشق محض کو ترک کیجئے اور عقل محض کو بھی ترک کیجئے۔ بلکہ عشق و عقل کو ساتھ ساتھ رکھئے، تا کہ انسان نہ ہی غیر نافع ہو اور نہ ہی ملحد و زندیق ہو۔ اہلسنت کی اس متصوفانہ فکر کا حاصل یہ ہے کہ ''خلوت در انجمن و انجمن در خلوت'' اس فکر میں ہمارے پیشوا و مقتدا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اگر آپ اس فکر کو چھوڑ دیں تو ایک معطل فرد بن جائیں گے۔ موج میں آ کر کچھ لوگ آپ سے کہیں گے، چلّے کاٹیے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کتنے چلّے فرمائے ہیں۔ آپ ''غار حرا'' میں تشریف لے جاتے تھے، اور وہ ایک خلوت تھی۔ لیکن جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمت متعلق ہوئی تو آپ نے یہ خلوت چھوڑ دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

(مشکوۃ شریف ☆ ترمذی شریف ☆ ابن ماجہ)

کہ عابد کے ہزار نوافل پر عالم کا ایک لمحہ بھاری ہے

اس لیے کہ عابد کی عبادت خاص اُسی کو فائدہ دے گی، عالم کا علم مفید خلائق ہو گا۔ اب اس مسئلہ میں غور فرمایئے، یہ وہ وقت تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے متعلق احکام عطا نہیں ہوئے تھے۔

مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اہل سنت کے نزدیک

اس میں مجھے ایک بات یاد آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے حوالے سے، اگر چہ موضوع سے خارج ہے، لیکن من وجہ داخل ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح بخاری شریف" میں پہلا باب "کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قائم کیا۔

جس میں تیسری حدیث پاک ہے۔

حَتّٰی جَآءَہُ الْحَقُّ وَھُوَ فِیْ غَارِ حِرَآءٍ فَجَآءَہُ الْمَلَکُ فَقَالَ اِقْرَاْ قَالَ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَھْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ الثَّانِیَۃَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَھْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ الثَّالِثَۃَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ فَرَجَعَ بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم...... الخ

(بخاری شریف جلد ا: حدیث نمبر ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا پڑھو! سرکار فرماتے ہیں کہ میں نہیں پڑھوں گا۔ بعض لوگ "ما انا بقاری" کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں نہیں پڑھ سکتا یا میں نہیں پڑھا ہوا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں نہیں پڑھوں گا یعنی مستقبل والا معنی ہے،

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا۔ "ما انت بمومن لنا" (سورۂ یوسف پارہ نمبر ۱۲) کہ آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے۔ اسی طرح تجدید صلح کے لئے مدینہ آ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ "ما انا بفاعل" (سیرت ابن ہشام) میں یہ کام نہیں کروں گا۔ ان مذکورہ مثالوں میں "مومن" اور "فاعل" کا معنی مستقبل والا ہے۔ ایسے ہی قاری کا معنی بھی یہاں مستقبل والا ہے یعنی میں نہیں پڑھوں گا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے تمام دروازے نہیں کھلے تھے، کیونکہ آپ فرماتے ہیں "اخذنی جبرائیل فغطنی" جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا پھر مجھے بھینچا۔ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے پکڑا سینے سے لگا کر دبایا اور چھوڑ دیا۔ پھر کہا پڑھو! سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں پڑھوں گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور دبایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے پھر پکڑا، دبایا، اور پھر چھوڑ دیا۔ کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں۔ یہاں سے شروع فرمایا اور "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ" تک پڑھا۔

اب غور فرمایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جبرائیل نے جب پہلی مرتبہ پکڑا اور دبایا تو "اخذ منی الجهد" ان کی مشقت انتہا کو پہنچ گئی۔ دبانا تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متوجہ کرنے کے لیے تھا، لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا کیا حال ہے، سیدالملائیکہ آپ کو دبانے میں مشقت اٹھاتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ کہیں کے مذکورہ عبارت کو اخذ منی الجہد بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ یعنی فاعل ہو اِس صورت میں مشقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوگی پھر دونوں قرأتوں میں فرق کیسے ہوگا؟ اس کے حل کے لیے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں چلیئے جو کہ ثناء اللہ امرتسری...... حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ...... مولانا وصی احمد محدث صورتی ......اور سید دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ ہیں۔ انھوں نے جو بخاری اپنے ہاتھ سے لکھی ہے، اسمیں انھوں نے الجہد کے دال پر زبر لکھی ہے۔ میں نے خود اُسے پڑھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اَنسب ترکیب مفعول بہ پڑھنا ہے۔ اس لیے کہ تکلیف جبرائیل امین علیہ السلام کو پہنچی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تو آپ پہلی دفعہ ہی پڑھ جاتے۔ معلوم ہوا کہ جبریل علیہ السلام کا مشقت میں ڈالنا کامیاب نہ رہا اور آپ کو تکلیف نہ پہنچی۔ حالانکہ جبریل علیہ السلام سید الملائیکہ اور اصل نور ہیں مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا یہ عالم ہے کہ جبریل علیہ السلام کو بھی مشقت اٹھانا پڑی۔ واضح رہے کہ محدث سہارنپوری نے تریسٹھ (۶۳) سال حدیث پڑھائی ہے۔ اب ہم اُس شخصیت کی بات کرتے ہیں، جو پورے پنجاب کی پہچان تھے، وہ حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، علامہ سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے زمانے کے آئمہ میں ہوتا ہے۔ امامِ فنون ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صاحب نظر بھی تھے۔ آپ بیضاوی پر اپنے حاشیہ سیالکوٹی میں فرماتے ہیں۔

سید عالم ﷺ کے پاس جبریل امین علیہ السلام کے وحی لانے کی دو صورتیں تھیں۔ ان النبی ﷺ انخلع من الصورۃ البشریہ الی الصورۃ الملکیتہ واخذ من جبریل (حاشیہ سیالکوٹی علی البیضاوی: ۱۳۶) ایک صورت یہ تھی کہ سید عالم ﷺ اپنی بشری صورت سے نکل کر اپنی صورت ملکیہ میں جلوہ گرہ ہوتے تھے اور جبریل امین علیہ السلام سے وحی لیتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے ان الملك انخلع من الملکیتہ الی البشریہ حتیٰ یاخذہ الرسول (بحوالہ مذکورہ) جبریل علیہ السلام ملکیت سے بشریت کی طرف انخلاع کرتے اور سید عالم ﷺ ان سے وحی لیتے تھے۔ ان دونوں صورتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ اکیلے ہوتے تو جبریل علیہ السلام نوری شکل میں آتے اور سید عالم ﷺ بشریت کو جدا کر کے نورانیت کی صورت میں جلوہ گر ہوتے۔ لیکن جب آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو وحی لینے کے لیے اگر صورۃ بشریہ سے دوسری صورت کیطرف انخلاع فرماتے صحابہ کرام پر شاق گزرتا اور وہ پریشان ہوتے کہ سرکار ﷺ کدھر گئے ہیں۔

اِس صورۃ میں جبریل علیہ السلام کو حکم ہوتا کہ وہ انخلاع کریں یعنی صورۃ ملکیت سے بشریت کی طرف۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کس صورۃ بشریہ میں جاؤں تو دحیہ کلبی کی صورت کو اختیار کیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے

"رائیت جبریل فاذا اقرب من رائیت بہ شبہا دحیتہ"

(مشکوٰۃ: ۵۵۸☆ مسلم شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کبھی کسی اور شکل میں بھی آجایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے بھی دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بھی دیکھا۔ جب چلے گئے تو ہم نے پوچھا: یہ مسافر بھی نہیں لگتے کہ ان کے جسم پر سفر کا کوئی اثر اور غبار وغیرہ نہیں اور ہم انہیں پہلے سے جانتے بھی نہیں ہیں۔ تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل امین علیہ السلام تھے، جو وحی لے کر میرے پاس آئے تھے۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۲) حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو اشارے دیئے ہیں۔ اشارہ اس اعتبار سے ہے کہ موضوع کا جزو ہے۔ ورنہ یہ نص صریحی ہے اور اسے عبارۃ النص کہتے ہیں۔

اب فلاسفہ سے پوچھیے وہ کہتے ہیں کہ شئے کی حقیقت کبھی بھی اُس سے جدا نہیں ہوسکتی۔ "الانسان لیس بانسان" یہ قضیہ غلط ہے ہم سب انسان ہیں۔ کیا ہم سے کوئی بشریت سے انخلاع کرسکتا ہے؟ نہیں! لیکن فرشتے اور جن انخلاع کرسکتے ہیں۔ فرشتہ کی یہ تعریف ہے "جسم نوری یتشکل باشکال مختلفۃ" وہ نوری جسم ہیں مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں، جن کی تعریف یہ ہے "جسم ناری یتشکل باشکال مختلفۃ" یہ آگ سے بننے والا جسم ہے جو مختلف شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے یہ اپنی شکل نہیں بدل سکتا بلکہ انسان ہی رہے گا۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بشریت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہوجاتی تھی، وہ آپ کی حقیقت نہیں ہے یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر بشریت حقیقت ہوتی تو آپ سے کبھی جدا نہ ہوتی۔ کچھ

لوگ سرکار دو عالم ﷺ کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے عوارضِ بشریت کی بحث کرتے ہیں، یہ غلط ہے اور تاکید غیر ضروری ہے۔ اس لیے کہ ہم آپ ﷺ کی بشریت کے منکر نہیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا بھی کھاتے تھے، شادیاں بھی فرمائیں، اور اولاد بھی تھی، یہ سب حق ہے کیونکہ یہ بشریت کے عوارض ہیں اور اسکی ضروریات و متعلقات میں سے ہیں۔ جب آپ لباس بشریت میں ہوں گے تو اِن تمام تقاضوں کو پورا کریں گے لیکن یہ بھی دیکھو کون بشر ہے جو اپنی آنکھ سے فرشتے کو دیکھ سکے عین ذات باری کا مشاہدہ کر سکے بلا واسطہ خدا سے کلام کر سکے اور سدرۃ المنتہٰی کو بلندیوں کو عبور کر جائے۔

عوارض بشریت کی بات کرتے ہو تو متعلقات نورانیت کی بھی بات کرو اور یہ بھی پڑھو کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا ہے۔ یہ مقام محبوبیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا مشاہدہ اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔ یہ اہلسنت و جماعت کی فکر ہے۔

قرآن پاک اور حدیث شریف کی صحیح تعبیر
اہلسنت و جماعت ہی سمجھ سکتے ہیں

آج کل کچھ لوگ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ہم انہیں دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ آپ کا سلسلہ مربوط و مسلسل نہیں ہے۔ آپ نے زنجیر دیکھی ہو گی، اس کی ہر کڑی دوسری میں ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں یہ اسی زنجیر کی مانند ہے،

بدعت نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ خدا سے لے کر بندوں تک پہنچا ہوا ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے یا کلام رسول ہے یا پھر کلام رسول کی وہ صحیح تعبیر ہے جو روایت مسلسل ومتواتر ومتوارث ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واسطہ بواسطہ ہم تک پہنچی ہے۔ آپ سے مخاطب فقیر، اساتذہ کے واسطہ سے "جن میں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نسبت وسند اور اجازت کے ساتھ حدیث شریف عرض کر رہا ہے اور یہ متوارث مربوط سلسلہ ہے جو یہاں سے لے کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور ہم نے یہ بات فخر کے طور پر بیان نہیں کی، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُس وقت تک قرآن وحدیث سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک کہ کسی کامل استاذ، مرشد سے نسبت واجازت حاصل نہ ہو۔ اور نہ ہی قرآن کی صحیح تعبیر آسکتی۔ یہاں محدث کوٹلوی مولانا محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ایک واقعہ یاد آگیا ہے ایک زمانہ میں کوٹلی لوہاراں علم وعرفان کا مرکز تھا۔ پورے پنجاب سے استفتاء یہاں آتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں ایک غیر مقلد تھا۔ اس نے یہ حدیث پڑھی ان استجمر فلیوتر اور مطلب یہ سمجھا کہ جب بھی ڈھیلہ لو تو وتر پڑھو۔ حالانکہ مطلب تو یہ ہے کہ جب بھی استنجاء کرنے لگو تو ڈھیلہ لینے میں وتر کرو۔ مولانا کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث میں یہ لفظ نہیں آئے۔ لفظ تو موجود ہیں، مگر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! ہمارا موقف یہ ہے کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور سچی محبت کی ضرورت ہے۔ یہ لازوال دولت حاصل نہ ہو تو

انسان قرآن و حدیث کی صحیح تعبیر کے قریب بھی نہیں جا سکتا۔ صرف ونحو کے علوم پر ہی اعتماد مت کیجئے یہ تو کافروں کو بھی آتے ہیں۔ "لارنس آف عربیہ" اتنی عربی بولتا تھا کہ عرب بھی حیران رہ جاتے تھے۔ حالانکہ وہ یورپین تھا۔ ہم یہی کہتے ہیں۔ یہ اہل ظواہر قرآن و حدیث کی صحیح تعبیر نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور سچی محبت سے خالی ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث شریف کی صحیح تعبیر اہلسنت و جماعت ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کا مرکز ہیں۔ جن کا مسلک افراط و تفریط سے پاک ہے۔ جو بلاشبہ امتِ وسط ہیں۔ اعتقاد و اعمال میں حسین اعتدال جن کا طرۂ امتیاز ہے۔

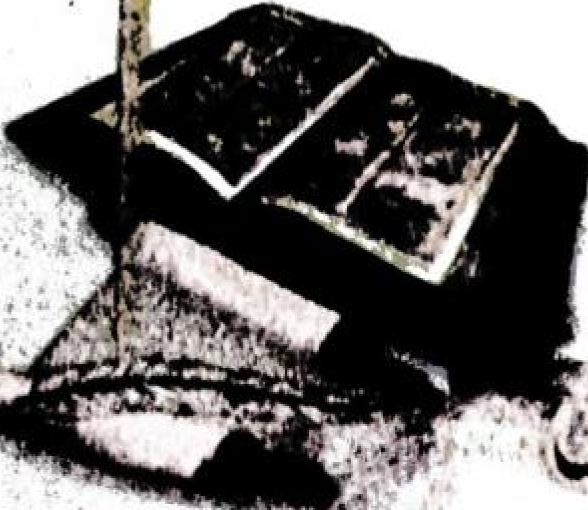


سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہلِ حق کی نظر میں

- فضائل از قرآن و حدیث
- اکابر اہلسنت کے نظریات
- مطاعن کا تحقیقی رد







علامہ پیر سید محمد عرفان مشہدی

اہلِ سنّت و جماعت

شیخ الحدیث پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی مدظلہ العالی

اویسی بک سٹال

امتِ مسلمہ کے لیے عنوانِ نجات

اہلِ سنت و جماعت

شیخ الحدیث والتفسیر، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت
ترجمانِ مسلکِ اہلسنت

شیخ الحدیث پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی مدظلہ العالی
ناظمِ اعلیٰ: مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان

اویسی بک سٹال
0333-8173630

نام کتاب	اھلسنت و جماعت
افادات	پیر سید محمد عرفان شاہ مشہدی
پروف ریڈنگ	حافظ محمد رمضان اویسی
باہتمام	شیخ محمد سرور اویسی
تعداد	1100
صفحات	32
ہدیہ	

ملنے کے پتے

حلالیہ و صراط مستقیم پبلی کیشنز گجرات
کرمانوالہ بک شاپ لاھور /فیضان مدینہ سرائے عالمگیر
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / رضا بک شاپ گجرات
مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ /دارالقلم سرائے عالگیر
جامعہ محمدیہ رضویہ بھکھی شریف۔ منڈی بھاوالدین
مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ /مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر
جامع مسجد خوشبوئے مصطفیٰ ﷺ کوٹ قاضی حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ
اویسی بُک سٹال گوجرانوالہ 0333-8173630

صراط مستقیم پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور

﴿فہرست﴾

ابتدائیہ

زیرِ نظر کتاب معروف معنیٰ میں تصنیف نہیں بلکہ شیخ الحدیث پیر سید محمد عرفان مشہدی مدظلہ العالی کی تقریر ہے، جو آپ نے ربیع الاول شریف ۱۴۱۲ھ میں سیالکوٹ میں فرمائی۔ یہی سبب ہے کہ اس میں سلاست ادب سے زیادہ آہنگ خطابت پایا جاتا ہے۔ مدت سے خواہش تھی کہ حضرت استاذ اپنی تحقیقات کو کتابی صورت میں لاتے، اکثر نشستوں میں اس پر اصرار بھی کیا مگر استاذ محترم کی تبلیغ دین و اقامت دین کے سلسلہ میں جانکاری و جگر سوزی، ہمہ نوع تدریسی و انتظامی مصروفیات، تصنیف و تخلیق کے لیے مطلوبہ فراغت کے لئے مانع رہیں بالآخر احباب کے مشورہ سے حضرت کے خطبات کی اشاعت کا پروگرام بنایا گیا مگر آپ کی اخفاء پسند طبیعت نے اس کی اجازت نہ دی عرصہ کے اصرار کے بعد تبلیغ دین اور تلامذہ کی دل شکنی کا خیال کرتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔ اجازت ملتے ہی آپ کی ایک تقریر شائع کی جارہی ہے۔ کیسٹ سے طباعت تک کا مرحلہ طے کرنے میں محترم مولانا محمد جمیل احمد صدیقی اور مولانا حافظ محمد اشرف آصف کا تعاون بھی شامل ہے۔

حافظ محمد اسلم قادری

۱۰-۱۱-۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

قرآنِ پاک کے تمام مطالب ومفاہیم کو سمجھنا صرف اُسی ہستی کا خاصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی معرفت عطا فرمائی ہو

قرآن وسنت کے احکام کئی اقسام پر مشتمل ہیں ان سے مسائل اخذ کرنے کے کے لئے نصوص قرآنیہ اور نصوص احادیث کے کئی درجات ہیں۔ چونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس اعتبار سے قرآن پاک کے تمام مطالب ومفاہیم کو کماحقہٗ سمجھ لینا کسی عام انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ صرف اُسی ہستی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اَپنے کلام کی معرفت عطا فرمائی ہے۔ عام اِنسان کے لئے کلامُ اللہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالب ومفاہیم میں سے کچھ سمجھ لینا ظاہری علوم پر موقوف ہے۔ کلام اللہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجموعہ چونکہ عربی زبان میں ہے، اور وہ ہمارے لیے اجنبی ہے، اسے سمجھنے کے لئے صرف... نحو... معانی...

بیان اور بدیع جیسے علوم پڑھے جاتے ہیں اور پھر اس کی خاص اصطلاحوں کو سمجھنے کے لیے منطق و فلسفہ اور دیگر علوم حاصل کیے جاتے ہیں۔ فہم قرآن و حدیث کی اِس جدوجہد کی تاریخی حیثیت دیکھی جائے تو اِس میں کئی زندگیاں وقف نظر آتی ہیں تب کہیں جا کر قرآن و احایث کے مطالب و مفاہیم سمجھنے کی کچھ صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن و احادیث کے مطالب کو کماحقہٗ سمجھنا اور کسی ایک مطلب پر ملت اِسلامیہ کے مجتہدین کا جمع ہو جانا ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی قرآن کریم کا اعجاز ہے۔

اگر ہر عقل مند اپنی عقل اور اسباب علم سے (جو کہ اوپر مذکور ہوئے ہیں) ایک ہی درجہ پر قرآن پاک جمع کر لے تو یہ بھی قرآن پاک کی توہین ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک کے مطالب بڑے دقیق و وقیع ہیں۔ اس طرز پر ہر انسان کی عقل اور علم برابر نہیں ہے۔ لہٰذا ہر صاحب عقل و علم اپنی ہمت کے مطابق قرآن پاک کے مطالب کو سمجھتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے سمندر میں جو لوگ غوطہ لگاتے ہیں وہ اپنی ہمت کے مطابق اس سے موتی نکالتے ہیں ایسے ہی اصحابِ علم قرآنی علوم کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق مطالب و مفاہیم کے موتی باہر لاتے ہیں لیکن تہہ تک پہنچنے کا کمال کسی کو حاصل نہیں ہے، اگر یہ کمال کسی کو حاصل ہے تو وہ ہمارے آقا اور خدا کے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک ہے۔

مجتہدین کا فکری اختلاف عیب نہیں حق ہے

جب علم، عقل اور مرتبے کا اختلاف وفرق ہر انسان میں موجود ہے تو پھر قرآن پاک کے مستنبط ومستخرج مسائل میں اور نصوص قرآنیہ کی تفہیم وتعبیر میں بھی یقیناً فرق ہوگا۔ لہٰذا اگر خلوصِ نیت کے ساتھ قرآنِ مجید میں مجتہدین غور کرتے ہیں اور تعبیر میں ان کے درمیان کچھ فرق پیدا ہو تو اسے اختلافِ مسلک کہتے ہیں اور یہ عیب نہیں بلکہ حق ہے، اس لئے کہ اگر دُنیا میں ایک ہی مسلک ہوتا۔ مجتہدین کی ایک ہی تفہیم وتعبیر ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ہر شخص کے لیے قرآن پاک کے کماحقہٗ مطالب پالینا اس کے بس کی بات ہے۔ اس صورت میں کلام اللہ معجزہ نہ رہتا اور اِس کی وہ بلاغت اور مؤثریت نہ رہتی جو اسے کلام اللہ ثابت کرتی ہے۔

اس اختلاف کے ساتھ (جو کہ انسانوں کے درمیان ہے) مجتہدین نے قرآن پاک سے مسائل کو اخذ کیا اور ایک جگہ انہیں جمع کیا وہ مسلک بن گئے۔ واضح رہے اِن مسالک کا تعلق اَعمال سے ہے۔ ان فقہی طریقوں کو ماننے اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں میں سے کچھ شافعی کہلاتے ہیں، کچھ حنبلی کہلاتے ہیں، کچھ مالکی کہلاتے ہیں، اور کچھ حنفی کہلاتے ہیں۔

اعتقادی مجتہد

اِسی طرح کچھ لوگ مجتہد فی المعتقدات ہوتے ہیں، جو اعتقادیات میں

اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل کو مستنبط کر کے ایک جگہ جمع کرتے ہیں ان میں اعتقادی طور پر اہلسنت میں سے کچھ اشاعرہ اور کچھ ماتریدیہ ہیں۔

آئمہ اربعہ کا اختلاف قرآن پاک کا اعجاز ہے

فقہ میں عبادات ومعاملات کے مسائل کو قرآن وحدیث سے مستنبط کرنے والے آئمہ اربعہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ❖ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ❖ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ❖ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا مسائل کے اخذ اور مستنبط کرنے میں اختلاف کوئی بری بات نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ ہر ایک مجتہد نے اپنی فہم وفراست اور عقل کے مطابق قرآن وحدیث سے مسائل کو اخذ کیا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتصویب

واضح رہے کہ یہ صرف علم وعقل کی رسائی اور پرواز نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ تائید ایزدی، تائیدِ محمدی اور نورِ بصیرت بھی ہے جو مجتہدین کرام کو خلوصِ نیت کے سبب حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص امام الآئمہ... سراج الامہ... امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اِس اِنعام واکرام کے ساتھ سب سے زیادہ نوازے گئے۔ اِس کا ذکر حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کشف المحجوب شریف" میں یوں فرماتے ہیں۔

چنانکہ بر ندئہ وی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بود

فانی الصفت باشد ببقاء صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
وچوں برپیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نہ
گردد برآنکہ بدو قائم بود نیز صورت
نگیرد وایں رمز لطیف است
(کشف المحجوب صفحہ نمبر ۸۷)

آپ کے استنباط واستخراج میں اور آپکی قوتِ استدلال میں جہاں آپ کے علم وعقل کا کمال ہے وہاں یہ بات بھی ہے کہ جب آپ کسی مسئلے کا استنباط فرماتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتصویب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوتی۔

پہچان اہل سنت وجماعت

اس انداز سے جو جماعت اخلاصِ نیت کے ساتھ نصوصِ قرآنیہ اور حدیث شریف سے اجتہاد کرتی رہی اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں اہلسنت وجماعت کہا جاتا رہا۔ صحاح ستہ میں حدیث شریف موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الاملۃ
واحدۃ قالو امن ھی یا رسول اللہ قال ماانا علیہ واصحابی
(مشکوۃ شریف ☆ ترمذی شریف ☆ ابوداؤد شریف)

میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔

سب جہنمی ہوں گے۔

مگر ایک جماعت نجات پائے گی۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا:

وہ کونسی جماعت ہے جو نجات پائے گی؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وہ جماعت میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگی۔

بعض روایات میں یوں ہے

قالوا یارسول اللہ ﷺ ومن هم قال اهل السنة والجماعة

فقیل ما اهل السنة والجماعة قال ما انا علیه واصحابی

(احیاء العلوم جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۶۱ ☆ اشعۃ اللمعات صفحہ ۱۴۰)

(غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۹۲ ☆ احتجاج طبرسی صفحہ نمبر ۹۰)

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: نجات پانے والے لوگ کون ہیں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہلسنت و جماعت ہیں۔

پھر عرض کیا گیا: اہلسنت و جماعت کون ہیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

جو میرے صحابہ کے طریقے پر ہونگے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کی فوز و فلاح پانے والے اہلسنّت و جماعت ہی ہیں۔

نام اہل سنت و جماعت کی اہمیت

بعض لوگ یہ کہتے ہیں ''کیا اپنے آپ کو صرف مسلمان کہلوانے سے کام نہیں چلتا، اہلسنّت و جماعت کہلوانے کی کیا ضرورت ہے؟'' اصل بات یہ ہے کہ بعض کم فہم لوگوں کو بڑی غلطی لگ گئی ہے کہ اہل سنّت و جماعت اور اہل اسلام میں کوئی تباعد اور تفاوت ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اہلسنت و جماعت ہی حقیقتاً اہل اسلام ہیں اور نجات والی جماعت ہیں۔

آج کل کچھ لوگ یہ عنوانات پیش کر رہے ہیں کہ ہم ''جنرل مسلم'' ہیں۔ ہمارا فرقہ بندی سے کوئی تعلق نہیں۔ انکی یہ فکر کھلی گمراہی پر مبنی ہے۔ اس فتنے کی ابتدء اہل قرآن یعنی منکرانِ حدیث نے کی تھی کہ ہم سادہ مسلم ہیں، اہلسنت نہیں ہیں۔ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فکری اختلاف کوئی عیب نہیں ہے بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ قرآنِ پاک کے بارے میں سب لوگوں کی فہم و فراست ایک نہیں ہو سکتی لیکن معتقدات میں اختلاف ایک کے سوا سب کو گمراہی بلکہ کفر تک لے جاتا ہے۔

تابعین کرام کے دور میں اعتقادی فتنے پیدا ہوئے جن میں بڑا فتنہ جبریہ اور قدریہ کا ہے۔

فرقہ جبریہ

کلمہ گو لوگوں میں ایک فرقہ جبریہ بنا، ان کا عقیدہ یہ تھا:

ان الفعل بقدرۃ اللہ وحدھا ولیس للعبد قدرۃ واختیار بل ھو کالجماد (نبراس صفحہ ۲۷۱)

بیشک اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی تمام انسانی افعال ہیں اور وہ خالق ہے بندے کے لئے کوئی قدرت اور اختیار نہیں ہے بلکہ بندہ جماد کی طرح ہے لہٰذا انسان کے ارادے اور عزم کو فعل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ انسان مجبور محض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندے سے سب کچھ کرواتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ کرواتا ہے تو پھر ثواب و عذاب کا کیا مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ پہلے بندے سے برائی کرائے اور پھر گناہ بھی اسی کے حساب میں لکھ دے۔

فرقہ قدریہ

پھر اُن کے مقابلے میں ایک فرقہ قدریہ پیدا ہوا، ان کا عقیدہ یہ تھا

ان الفعل بقدرۃ العبد وحدھا بلا ایجاب واضطرر (نبراس صفحہ ۲۷۲)

بیشک انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے کسی طرف سے ایجاب و اضطرار کے بغیر صرف اپنی قدرت سے فعل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اسمیں کوئی قدرت نہیں ہے۔

لہٰذا جب بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو جو شخص صغیرہ گناہ کا بھی مرتکب ہو وہ خدا کے ابدی عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکمل طور پر اختیار دیا تو اس نے اپنا اختیار برائی میں استعمال کیا۔ اب اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں فرمائے گا بلکہ وہ دائما جہنم میں رہیگا۔

حاصل کلام:۔ اب دیکھئے جبریہ کو جبریہ کہنا پڑا۔ کیونکہ یہ فرقہ انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے اور قدریہ کو قدریہ کہنا پڑا، یہ فرقہ انسان کو اپنے افعال کے لئے قادرِ مطلق تصور کرتا ہے۔ جب یہ دونوں کیفیتیں سامنے آئیں تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود بھٹک گئے۔ اس دور کے مسلمان جو صحیح راستے پر تھے اگر اپنا تشخص صرف مسلمان رکھتے تو ان گمراہ فرقوں سے ان کا کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اسلام کے دعویدار تو جبریہ اور قدریہ بھی تھے تو پھر صحیح لوگوں کی پہچان کیا ہوئی؟ عہدِ تابعین میں معتقدات میں جن لوگوں کی فکر صحیح رہی، انہیں اہلسنت و جماعت کے نام سے یاد کیا جاتا رہا۔

مذہب اہل سنّت و جماعت

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انکی اعتقادی راہنمائی ہوتی رہی۔ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کے امام ہوئے ہیں، انہوں نے صحیح فکر پیش کی اور کہا:

والله تعالیٰ خالق لافعال العباد وللعباد افعال اختیاریۃ

(شرح عقائد صفحہ نمبر ۶۰ تا ۶۴)

افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے حسن و قبح اور ہر اچھائی و برائی کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ ان افعال کا کاسب ہے اور بندے کو اختیار دیا گیا ہے۔ اچھائی اور برائی سامنے رکھ دی گئی ہے اور اسے وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان بھی کر دیا گیا ہے اب بندہ اپنے ارادے سے ان افعال کا کاسب ہے، خالق نہیں ہے۔

جب بندہ اپنے اختیار سے برا فعل کریگا عذاب پائے گا اور اگر اچھا فعل کرے گا تو ثواب پائے گا۔ یہ اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے۔

فرقہ تشبیہیہ

اب ذرا دوسرے درجے کی طرف آیئے! ایک جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے اور بندے کے جسم کے مشابہ ہے اس فرقہ کا نام "تشبیہیہ" تھا۔ جن کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے طرح جسم رکھتا ہے۔ یہ فرقہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ آج تک اس کے اثرات موجود ہیں متصوفہ میں آج بھی فرقہ حلولیہ موجود ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جہلاء مختلف چیزوں کو سجدے کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان میں خدا ہے یہ فرقہ "تشبیہیہ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو آج بھی جہلاء میں موجود ہے۔

"تشبیہیہ" کے مقابلے میں "تعطیلیہ" فرقہ پیدا ہوا، وہ فلاسفہ تھے۔ انہوں

نے کہا کہ اللہ تعالیٰ معطل ہوگیا ہے۔ معاذ اللہ وہ قادر ومالک تھا لیکن اس نے دس عقل پیدا کیے ان کی اصطلاح میں انہیں عقول عشرہ کہتے ہیں ان کے خیال میں عقل اول جبرائیل امین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جبرائیل کو پیدا کیا اور معطل ہوگیا۔

''تشبیہہ'' کا عقیدہ یہ تھا

''هو جسم كسائر الاجسام جالس على العرش

(نبراس صفحہ ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ اجسام کی طرح ایک جسم ہے، جو کہ عرش پر بیٹھا ہے

ان میں ابنِ تیمیہ بھی تھا۔ اس نے اپنے فتاویٰ میں یہ بات واضح طور پر لکھ دی ہے کہ " اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی " (طٰہٰ رکوع نمبر ۱۰) آیت مذکورہ متشابہات سے نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس طرح عرش پر بیٹھا ہے جیسے بندہ کرسی پر بیٹھتا ہے۔ ابنِ تیمیہ کی اسی فکر کی روشنی میں بعض علماء دیوبند نے بھی یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ جب کرسی کی طرح عرش پر بیٹھتا ہے تو وہ اُسکے وزن سے چرچرانے لگتا ہے۔

عقیدہ اہل سنت و جماعت

اہلسنّت وجماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور تشبیہ سے منزہ ہے اور کہا کہ فعال لما یرید (پارہ نمبر ۳۰ سورۃ بروج) جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے یحکم مایشاء جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، وہ معطل نہیں ہے۔ کائنات کے ذرے

ذرے کا مالک ہے۔اس کی مرضی کے بغیر کوئی شئے حرکت نہیں کرسکتی۔تعطیلیہ کی فکر کے ساتھ ساتھ اہلسنّت نے "تشبیہیہ" کا رد بھی کیا کہ جو جسم ہوگا وہ محدود ہوگا اور اسکی قیود بھی ہوں گی اور اس کے لیے جہت،مکان اور زمان کا تحقق بھی ہوگا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق یہ تصورات محض باطل ہیں بلکہ اس کی شان یہ ہے "لا یحد و لا یتصور ولا ینتہ ولا یتغیر تعالی عن الجنس والجہات" (سلم العلوم) وہ جہت وسمت اور قیود وترکیب سے پاک ہے۔اس کی ذات نہ تصور میں آسکتی ہے نہ متغیر ہوسکتی ہے۔وہ حد سے پاک ہے، بلکہ حی و قیوم ہے۔ازلی...ابدی...سرمدی ہے۔وہ قائم ہے۔اس کے لئے کوئی زوال نہیں ہے اور اس کا مشابہ بھی کوئی نہیں ہوسکتا۔یہ اہل سنت و جماعت کی فکر ہے۔

حاصلِ کلام: —اب غور فرمایئے ایک طرف فرقہ "تشبیہیہ" ہوں دوسری طرف فرقہ "تعطیلیہ" ہوں اور ہم کہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں تو یہ گمراہ فرقے کہیں گے ہم بھی مسلمان ہیں کیونکہ کلمہ تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔حالانکہ "تشبیہیہ" خدا کو جسم مانتے ہیں اور "تعطیلیہ" خدا کو معطل مانتے ہیں۔اب اہل حق اور ان باطل مذاہب میں امتیاز کیا ہے؟ کہ جس سے اہل حق کا تشخص قائم ہوسکے،جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے اور نہ معطل ہے بلکہ واجب الوجود اور "فعال لما یرید" ہے۔پہچان اور امتیاز کے لئے ایک بات سامنے آگئی جو آج بھی اتباع محمدی اور اتباع صحابہ اور جماعت پر قائم ہیں وہ اہلسنت و جماعت ہیں۔

فرقہ رفض

اب ذرا آگے چلئے جب رفض وخروج کا فتنہ پیدا ہوا، رافضی حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے لگے، ایسا فرقہ ہمارے ملک اور دیگر کئی ممالک میں آج بھی موجود ہے۔ اہل تشیع میں اس کو نوصیری فرقہ کہا جاتا ہے یہ لوگ اب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتے ہیں۔ انہیں سجدہ کرتے ہیں ان لوگوں نے شیر خدا کی تشبیہ بنائی ہوئی ہے اور اسے سجدہ کرتے ہیں۔

اثنا عشریہ رافضی تو یہاں تک چلے گئے ہیں کہ

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اس لئے نکالا گیا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبے کو نہ پہچانا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں اس لئے ڈالا گیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرتبے کو نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام پر بیماری کا ورود اور حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں جانا بھی مرتبہ علی کو نہ پہچاننے کے سبب سے ہے (اصول کافی)

اور یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اصل میں حامل وحی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے غلطی ہوگئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے آئے۔ اس رافضی فرقہ کے مقابلے میں خارجی فتنہ پیدا ہوا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلمان ہی نہیں مانتے۔ (نفیس الاسلام شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ تہران)

فرقہ خوارج

خوارج کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ اس لئے مسلمان نہیں ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے فیصلے پر بندوں کو فیصل بنایا اور خدائی فیصلے کو رد کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں خلافت کا فیصلہ فرما دیا تھا لیکن انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تنازع میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا۔ یہ خدا کے کئے ہوئے فیصلے سے انحراف ہے۔ لہٰذا معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ جب کہ اہلسنت و جماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے بندے ہیں اور اولیاء اللہ کے پیشوا ہیں۔

حاصل کلام: — آپ خود فیصلہ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جو عنوان (اہلسنت و جماعت) ہمیں دیا وہ صرف ہماری ایک عام ضرورت ہی نہیں بلکہ ہم اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتے، ورنہ ہماری کوئی پہچان ہی نہ ہوگی۔

ذرا سوچ کے بتائیں؟ جبریہ اور قدریہ میں سے آپ کون ہیں؟ ”تشبیہ“ اور ”تعطیلیہ“ میں سے آپ کون ہیں؟

روافض اور خوارج میں سے آپ کون ہیں؟ اگر کہیں گے ہم ”جنرل مسلم“ ہیں تو وہ بھی کہیں گے ہم بھی ”مسلم“ ہیں۔ ان کے اور آپ کے درمیان ”مسلم“ کہلانا ”مابہ الاشتراک“ ہے، اگر ”مابہ الامتیاز“ ہے تو وہ اہلسنت و جماعت ہے۔

اس سے تمیز ہو جائے گی کہ کون لوگ ہیں جن کے نزدیک کلام اللہ کے قطعی اور یقینی احکام پر اور احادیث طیبہ جو کہ قطعی یقینی اور متواترہ ہیں پر عمل یقینی اور لازمی ہے۔

فکرِ اہل سنّت و جماعت

لیکن قرآن و حدیث کے صحیح مطالب سمجھنے کے لیے اجماع صحابہ و مجتہدین رضی اللہ عنہم کو ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر فہم قرآن و حدیث عام لوگوں کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے "ہمارا یہ عنوان اصحاب ظواہر کے مقابلے میں جامع ہے۔ ہم امت کے اجماع و قیاس کو مانتے ہیں لیکن ظواہر نہیں مانتے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں امت پر اعتماد نہیں ہے اور یہ سراسر ناانصافی ہے۔

آپ ذرا غور فرمائیں کہ عدالتوں میں فیصلے ہو رہے ہیں جج فیصلہ سناتے ہوئے ازیں قسم دوسرے جج کے فیصلے کو استشہاد بناتا ہے عربی میں اسے "تناظیر" کہتے ہیں۔ اس استشہاد میں جسٹس درگا پرشاد تنک کا فیصلہ معتبر مانا جاتا ہے۔ اصحاب ظواہر کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج بھی ہے کہ قانون دان طبقے کے لیے سابق جسٹس اور قانون دان کا فیصلہ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ جج اسے بڑے رعب و وقار کے ساتھ عدالت میں بیٹھ کر بطور استشہاد پیش کرتا ہے۔ اب یہاں کتنے ظلم کی بات ہے کہ ہم حدیث کی عبارت پڑھیں گے لیکن اس کی تشریح کسی مجتہد کی

زبان سے نہیں سنیں گے۔ کیا ساری امت غیر معتبر ہوگئی ہے؟ کیا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فیصلہ جسٹس کے فیصلے کے برابر بھی نہیں ہے؟ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جسٹس درگا پرشاد کے فیصلے کے برابر بھی نہیں ہے؟

جب قانون کی کتابوں میں جج حضرات کے فیصلے سند کی حیثیت رکھتے ہیں تو اہلسنت وجماعت بجا طور پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ امت مسلمہ غیر معتبر نہیں ہے بلکہ اس کا اجتہاد اجماع اور قیاس معتبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ"

(سورہ نساء رکوع نمبر ۱۴)

یعنی جو مومنین کے خلاف رستہ اپنائے گا تو ہم اُسے اسی پر پھیر دیں گے اور جہنم میں اسے پھینک دیں گے۔

قرآن پاک کے اس واضح ارشاد کے بعد ہم فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احادیث نبویہ کے بعد اجماع امت اور قیاس مجتہدین بھی معتبر ہے اور امت کے لیے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ اہلسنت وجماعت کی فکر ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ کچھ لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ہم پڑھے ہوئے ہیں ان کی خدمت میں یہ مشورہ ہے کہ وہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر پیر فضل گجراتی کا لکھا ہوا یہ شعر پڑھیں۔

سو کتاباں صاحب نظراں کولوں پڑھیں بھانویں
اکھ دے اک سبق دے اوہ نال نہ ہوون سانویں

اگر دعویٰ علم ہے تو بتانا پڑے گا تمہیں صرف... نحو... لغت... ادب... بدیع... معانی... اور بیان و تفسیر میں مہارت ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ اگر اثبات میں ہو تو پھر بھی بھلائی اسی صورت میں ہے کہ کسی صاحب نظر کی نگاہ کا شکار ہو جاؤ، اس سے بصیرت پیدا ہوگی روایتی علوم پڑھ لینے سے قلبی آنکھ میں بینائی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے کسی اللہ والے سے نسبت جوڑ کر فیضان لینا ضروری ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت کچھ پڑھا لیکن بصیرت کی آنکھ تب کھلی جب شیخ کے ساتھ تعلق قائم ہو گیا۔ یہ فکر اہلسنت وجماعت کی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن ہمارا استاذ ہے اور حدیث ہماری پیر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اپنی جگہ پر دُرست ہے۔ مگر مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب آموز حکایت بیان فرماتے ہیں جو خصوصاً اصحابِ ظواہر کے لیے درس نافع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے تیراکی کا قانون پڑھا اور وہ تیراکی کے فلسفے کو سمجھ گیا کہ وزنی ہونے کے باوجود انسان پانی پر کیسے تیرتا ہے۔ ایک دن وہ دریا پر گیا اور پانی میں چھلانگ لگا دی جب وہ پانی میں پہنچا تو ڈوبنے لگا، قریب ہی ایک ملاح تھا۔ اس نے ہمت کے ساتھ اسے پانی سے باہر نکالا۔ اب اُس کا پیٹ پانی سے پھول چکا تھا۔ دبانے سے اس مصیبت سے نجات ملی۔ پھر ملاح نے کہا: ارے پاگل جب

تجھے تیرنا نہیں آتا تھا تو تو نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی؟ اس نے کہا میں نے پہلے تیراکی کا فلسفہ سمجھ لیا تھا اور اس بارے میں ڈاکٹر فورڈ کی وضاحتیں خوب سمجھ لی تھیں۔ تو ملاح نے کہا یہاں ڈاکٹر فورڈ کی کتابیں کام نہیں دیتیں۔ پہلے ملاح کے تھپڑ کھاؤ پھر تمہیں تیراکی کا پتہ چلے گا۔ میں نے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی لیکن اب میرا نظارہ دیکھو ملاح نے ایک طرف سے دریا میں چھلانگ لگائی دوسری طرف نکل گیا۔ اس نے کہا تجھے یہ مہارت کہاں سے حاصل ہوئی ہے؟ ملاح نے کہا میں نے اس میں اپنے باپ سے جو تیراکی میں ماہر تھا مار کھائی ہے۔ اگر تم بھی کسی اُستاذ اور پیر سے مار کھالو تو تیراکی میں مہارت حاصل ہو جائے گی، صرف فلسفہ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اصحاب ظواہر یہ یاد کرتے ہیں کہ مرفوع کیا ہے، مقطوع کیا ہے، حسن لغیرہ کیا ہے، اور حسن لذاتہ کیا ہے۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلے گا جب تک کسی کامل معلم سے درس نہ حاصل کرلیں۔ "ذکر خیر" کے مصنف حضرت محبوب عالم فرماتے ہیں کہ میں انبالہ شہر میں حدیث پڑھا رہا تھا۔ ایک حدیث پڑی تو میرے مرشد سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ جو کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے حاشیہ وغیرہ دیکھا، اور عرض کیا یہ حدیث صحیح ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حضرت محبوب عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے "میزان الاعتدال"...... "تہذیب" ......اور "اسماء الرجال" کی دیگر کتابوں کا مطالعہ کیا، پھر مجھے پتہ چلا کہ یہ خبر درجہ کے اعتبار

سے صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ دقیق مطالعہ کے بعد مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں رو پڑا، اور اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا: آپ تو عربی پڑھے ہوئے نہیں ہیں، آپ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم نے اس سے پہلے بھی حدیث پڑھی ہے، میں نے جب تمہارے منہ سے اُسے سنا تو تمہارے منہ سے ایک نور نکلا۔ لیکن تم نے جب یہ حدیث پڑھی تو وہ نور ظاہر نہیں ہوا۔ تم نے کتابیں دیکھیں، ہم نے کوئی کتاب نہیں دیکھی، ہمارا سیدھا سادا تجربہ اور مشاہدہ ہے کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کسی کے منہ سے نکلتے ہیں تو ساتھ ہی نور کی شعاعیں بھی نکلتی ہیں۔ جب تم نے یہ حدیث پڑھی تو نور نہ نکلا اور میں سمجھ گیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اہلسنت و جماعت کی دعوت

اصحاب ظواہر کے لیے خصوصاً قابل غور بات ہے کہ علم صرف کتابوں سے نہیں آتا بلکہ اہل اللہ کی نظر سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم عشق محض کی دعوت نہیں دیتے کے مجذوب ہو جایئے، شریعت کا جامہ اتار پھینکیے اور ہوش و حواس کھو بیٹھے، اسی طرح ہم عقل محض کی دعوت بھی نہیں دیتے کہ ملحد و زندیق ہو جایئے کہ روحانیت، عشق اور محبت سے خالی ہو جایئے بقول علامہ اقبال ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یعنی ملحد و زندیق بن کر فلسفی بن جایئے اور عقل محض کو پیشوا بنا لیجئے بلکہ اہلسنت و جماعت کی دعوت یہ ہے کہ عشق محض کو ترک کیجئے اور عقل محض کو بھی ترک کیجئے۔ بلکہ عشق و عقل کو ساتھ ساتھ رکھئے، تاکہ انسان نہ ہی غیر نافع ہو اور نہ ہی ملحد و زندیق ہو۔ اہلسنت کی اس متصوفانہ فکر کا حاصل یہ ہے کہ "خلوت در انجمن و انجمن در خلوت" اس فکر میں ہمارے پیشوا و مقتدا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اگر آپ اس فکر کو چھوڑ دیں تو ایک معطل فرد بن جائیں گے۔ موج میں آکر کچھ لوگ آپ سے کہیں گے، چلّے کاٹئے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کتنے چلّے فرمائے ہیں۔ آپ "غارِ حرا" میں تشریف لے جاتے تھے، اور وہ ایک خلوت تھی۔ لیکن جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمت متعلق ہوئی تو آپ نے یہ خلوت چھوڑ دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

(مشکوٰۃ شریف ☆ ترمذی شریف ☆ ابن ماجہ)

کہ عابد کے ہزار نوافل پر عالم کا ایک لمحہ بھاری ہے

اس لیے کہ عابد کی عبادت خاص اُسی کو فائدہ دے گی، عالم کا علم مفید خلائق ہوگا۔ اب اس مسئلہ میں غور فرمایئے، یہ وہ وقت تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے متعلق احکام عطا نہیں ہوئے تھے۔

مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اہل سنت کے نزدیک

اس میں مجھے ایک بات یاد آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے حوالے سے، اگر چہ موضوع سے خارج ہے، لیکن من وجہ داخل ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح بخاری شریف" میں پہلا باب "كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم" قائم کیا۔

جس میں تیسری حدیث پاک ہے۔

حَتّٰى جَآءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَآءٍ فَجَآءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَأْ قَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ الثَّالِثَةَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ

(بخاری شریف جلد ۱: حدیث نمبر ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا پڑھو! سرکار فرماتے ہیں کہ میں نہیں پڑھوں گا۔ بعض لوگ "ما انا بقارئی" کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ میں نہیں پڑھ سکتا یا میں نہیں پڑھا ہوا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں نہیں پڑھوں گا یعنی مستقبل والا معنیٰ ہے،

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا۔ ''ما انت بمومن لنا'' (سورۂ یوسف پارہ نمبر۱۲) کہ آپ ہم پر یقین نہیں کریں گے۔ اسی طرح تجدید صلح کے لئے مدینہ آ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ''ما انا بفاعل'' (سیرت ابن ہشام) میں یہ کام نہیں کروں گا۔ ان مذکورہ مثالوں میں ''مومن'' اور ''فاعل'' کا معنی مستقبل والا ہے۔ ایسے ہی قاری کا معنی بھی یہاں مستقبل والا ہے یعنی میں نہیں پڑھوں گا۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے تمام دروازے نہیں کھلے تھے، کیونکہ آپ فرماتے ہیں ''اخذنی جبرائیل فغطنی'' جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ لیا پھر مجھے بھینچا۔ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے پکڑا سینے سے لگا کر دبایا اور چھوڑ دیا۔ پھر کہا پڑھو! سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں پڑھوں گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور دبایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے پھر پکڑا، دبایا، اور پھر چھوڑ دیا۔ کہا: پڑھو! میں نے کہا: میں نہیں پڑھوں گا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا'' اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ '' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں۔ یہاں سے شروع فرمایا اور '' عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ '' تک پڑھا۔

اب غور فرمایئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جبرائیل نے جب پہلی مرتبہ پکڑا اور دبایا تو ''اخذ منی الجهد'' ان کی مشقت انتہا کو پہنچ گئی۔ دبانا تو

حضور ﷺ کو متوجہ کرنے کے لیے تھا، لیکن سیدِ عالم ﷺ کی قوت کا کیا حال ہے، سید الملائیکہ آپ کو دبانے میں مشقت اٹھاتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ کہیں کے مذکورہ عبارت کو اخذ منی الجہد بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ یعنی فاعل ہو اِس صورت میں مشقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوگی پھر دونوں قرأتوں میں فرق کیسے ہوگا؟ اس کے حل کے لیے مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں چلئے جو کہ ثناء اللہ امرتسری...... حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ...... مولانا وصی احمد محدث صورتی ......اور سید دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ ہیں۔ انھوں نے جو بخاری اپنے ہاتھ سے لکھی ہے، اسمیں انھوں نے الجہد کے دال پر زبر لکھی ہے۔ میں نے خود اُسے پڑھا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اَنسب ترکیب مفعول بہ پڑھنا ہے۔ اس لیے کہ تکلیف جبرائیل امین علیہ السلام کو پہنچی ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تو آپ پہلی دفعہ ہی پڑھ جاتے۔ معلوم ہوا کہ جبریل علیہ السلام کا مشقت میں ڈالنا کامیاب نہ رہا اور آپ کو تکلیف نہ پہنچی۔ حالانکہ جبریل علیہ السلام سید الملائیکہ اور اصل نور ہیں مگر سید عالم ﷺ کی قوت کا یہ عالم ہے کہ جبریل علیہ السلام کو بھی مشقت اٹھانا پڑی۔ واضح رہے کہ محدث سہارنپوری نے تریسٹھ (۶۳) سال حدیث پڑھائی ہے۔ اب ہم اُس شخصیت کی بات کرتے ہیں، جو پورے پنجاب کی پہچان تھے، وہ حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، علامہ سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے زمانے کے آئمہ میں ہوتا ہے۔ امامِ فنون ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صاحب نظر بھی تھے۔ آپ بیضاوی پر اپنے حاشیہ سیالکوٹی میں فرماتے ہیں۔

سیدِ عالم ﷺ کے پاس جبریل امین علیہ السلام کے وحی لانے کی دو صورتیں تھیں۔ ان النبی ﷺ انخلع من الصورۃ البشریہ الی الصورۃ الملکیتہ واخذ من جبریل (حاشیہ سیالکوٹی علی البیضاوی: ۱۳۶) ایک صورت یہ تھی کہ سید عالم ﷺ اپنی بشری صورت سے نکل کر اپنی صورت ملکیہ میں جلوہ گر ہوتے تھے اور جبریل امین علیہ السلام سے وحی لیتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے ان الملک انخلع من الملکیتہ الی البشریہ حتیٰ یاخذہ الرسول (بحوالہ مذکورہ) جبریل علیہ السلام ملکیت سے بشریت کی طرف انخلاع کرتے اور سید عالم ﷺ ان سے وحی لیتے تھے۔ ان دونوں صورتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم ﷺ اکیلے ہوتے تو جبریل علیہ السلام نوری شکل میں آتے اور سید عالم ﷺ بشریت کو جدا کر کے نورانیت کی صورت میں جلوہ گر ہوتے۔ لیکن جب آپ صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو وحی لینے کے لیے اگر صورۃ بشریہ سے دوسری صورت کیطرف انخلاع فرماتے صحابہ کرام پر شاق گزرتا اور وہ پریشان ہوتے کہ سرکار ﷺ کدھر گئے ہیں۔

اِس صورۃ میں جبریل علیہ السلام کو حکم ہوتا کہ وہ انخلاع کریں یعنی صورۃ ملکیت سے بشریت کی طرف۔ جبریل امین علیہ السلام نے عرض کیا کس صورۃ بشریہ میں جاؤں تو دحیہ کلبی کی صورت کو اختیار کیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے

"رائیت جبریل فاذا اقرب من رائیت بہ شبھا دحیتہ"

(مشکوٰۃ: ۵۵۸ ☆ مسلم شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کبھی کسی اور شکل میں بھی آ جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نے بھی دیکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بھی دیکھا۔ جب چلے گئے تو ہم نے پوچھا: یہ مسافر بھی نہیں لگتے کہ ان کے جسم پر سفر کا کوئی اثر اور غبار وغیرہ نہیں اور ہم انہیں پہلے سے جانتے بھی نہیں ہیں۔ تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبریل امین علیہ السلام تھے، جو وحی لے کر میرے پاس آئے تھے۔ (بخاری شریف جلد ا ص ۱۲) حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو اشارے دیئے ہیں۔ اشارہ اس اعتبار سے ہے کہ موضوع کا جزو ہے۔ ورنہ یہ نص صریح ہے اور اسے عبارۃ النص کہتے ہیں۔

اب فلاسفہ سے پوچھیے وہ کہتے ہیں کہ شئے کی حقیقت کبھی بھی اُس سے جدا نہیں ہوسکتی۔ "الانسان لیس بانسان" یہ قضیہ غلط ہے ہم سب انسان ہیں۔ کیا ہم سے کوئی بشریت سے انخلاع کر سکتا ہے؟ نہیں! لیکن فرشتے اور جن انخلاع کر سکتے ہیں۔ فرشتہ کی یہ تعریف ہے "جسم نوری یتشکل باشکال مختلفۃ" وہ نوری جسم ہیں مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں، جن کی تعریف یہ ہے "جسم ناری یتشکل باشکال مختلفۃ" یہ آگ سے بننے والا جسم ہے جو مختلف شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ انسان حیوانِ ناطق ہے یہ اپنی شکل نہیں بدل سکتا بلکہ انسان ہی رہے گا۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بشریت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو جاتی تھی، وہ آپ کی حقیقت نہیں ہے یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اگر بشریت حقیقت ہوتی تو آپ سے کبھی جدا نہ ہوتی۔ کچھ

لوگ سرکار دو عالم ﷺ کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے عوارض بشریت کی بحث کرتے ہیں، یہ غلط ہے اور تاکید غیر ضروری ہے۔ اس لیے کہ ہم آپ ﷺ کی بشریت کے منکر نہیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا بھی کھاتے تھے، شادیاں بھی فرمائیں، اور اولاد بھی تھی، یہ سب حق ہے کیونکہ یہ بشریت کے عوارض ہیں اور اسکی ضروریات و متعلقات میں سے ہیں۔ جب آپ لباس بشریت میں ہوں گے تو اِن تمام تقاضوں کو پورا کریں گے لیکن یہ بھی دیکھو کون بشر ہے جو اپنی آنکھ سے فرشتے کو دیکھ سکے عین ذات باری کا مشاہدہ کر سکے بلا واسطہ خدا سے کلام کر سکے اور سدرۃ المنتہیٰ کو بلندیوں کو عبور کر جائے۔

عوارض بشریت کی بات کرتے ہو تو متعلقات نورانیت کی بھی بات کرو اور یہ بھی پڑھو کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا ہے۔ یہ مقام محبوبیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا مشاہدہ اپنے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔ یہ اہلسنت و جماعت کی فکر ہے۔

قرآن پاک اور حدیث شریف کی صحیح تعبیر
اہلسنت و جماعت ہی سمجھ سکتے ہیں

آج کل کچھ لوگ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ ہم انہیں دعوت فکر دیتے ہیں کہ آپ کا سلسلہ مربوط و مسلسل نہیں ہے۔ آپ نے زنجیر دیکھی ہوگی، اس کی ہر کڑی دوسری میں ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ بیان کر رہے ہیں یہ اسی زنجیر کی مانند ہے،

بدعت نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ خدا سے لے کر بندوں تک پہنچا ہوا ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے یا کلام رسول ہے یا پھر کلام رسول کی وہ صحیح تعبیر ہے جو روایت مسلسل ومتواتر ومتوارث ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے واسطہ بواسطہ ہم تک پہنچی ہے۔ آپ سے مخاطب فقیر، اساتذہ کے واسطہ سے "جن میں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نسبت وسند اور اجازت کے ساتھ حدیث شریف عرض کر رہا ہے اور یہ متوارث مربوط سلسلہ ہے جو یہاں سے لے کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور ہم نے یہ بات فخر کے طور پر بیان نہیں کی، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُس وقت تک قرآن وحدیث سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک کہ کسی کامل استاذ، مرشد سے نسبت واجازت حاصل نہ ہو۔ اور نہ ہی قرآن کی صحیح تعبیر آسکتی۔ یہاں محدث کوٹلوی مولانا محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ایک واقعہ یاد آگیا ہے ایک زمانہ میں کوٹلی لوہاراں علم وعرفان کا مرکز تھا۔ پورے پنجاب سے استفتاء یہاں آتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں ایک غیر مقلد تھا۔ اس نے یہ حدیث پڑھی ان استجمر فلیوتر اور مطلب یہ سمجھا کہ جب بھی ڈھیلہ لو تو وتر پڑھو۔ حالانکہ مطلب تو یہ ہے کہ جب بھی استنجاء کرنے لگو تو ڈھیلہ لینے میں وتر کرو۔ مولانا کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث میں یہ لفظ نہیں آئے۔ لفظ تو موجود ہیں، مگر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! ہمارا موقف یہ ہے کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور سچی محبت کی ضرورت ہے۔ یہ لازوال دولت حاصل نہ ہو تو

انسان قرآن وحدیث کی صحیح تعبیر کے قریب بھی نہیں جا سکتا۔ صرف ونحو کے علوم پر ہی اعتماد مت کیجئے یہ تو کافروں کو بھی آتے ہیں۔ ”لارنس آف عربیہ“ اتنی عربی بولتا تھا کہ عرب بھی حیران رہ جاتے تھے۔ حالانکہ وہ یورپین تھا۔ ہم یہی کہتے ہیں۔ یہ اہل ظواہر قرآن وحدیث کی صحیح تعبیر نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت اور سچی محبت سے خالی ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث شریف کی صحیح تعبیر اہلسنت و جماعت ہی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ ان کے دل رسول اللہ ﷺ کی سچی محبت کا مرکز ہیں۔ جن کا مسلک افراط وتفریط سے پاک ہے۔ جو بلاشبہ امتِ وسط ہیں۔ اعتقاد واعمال میں حسین اعتدال جن کا طرۂ امتیاز ہے۔



سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اہلِ حق کی نظر میں

- فضائل از قرآن و حدیث
- اکابر اہلسنت کے نظریات
- مطاعن کا تحقیقی رد





علامہ پیر سید محمد عرفان مشہدی